حضرت مسیح موعودؑ کے بعض رفقاء کے حالات

(فرمودہ ۲۹- جون ۱۹۳۴ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۹- جون ۱۹۳۴ء کو ملک سعید احمد صاحب بی اے ابن ملک مولا بخش صاحب کا نکاح سیدہ محمودہ خاتون صاحبہ بنت سید غلام حسین صاحب سے ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔

خطبہ مسنونہ کی تلاوت کے بعد حسب ذیل ارشاد فرمایا :-

جس طرح ہر درخت ایک خاص زمین میں ترقی پاتا ہے اسی طرح صداقتیں بھی اپنے ساتھ کچھ افراد کو وابستہ رکھتی ہیں اور وہ افراد ان صداقتوں سے ایسے وابستہ ہوتے ہیں کہ گو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خود ہی وہ صداقت ہیں مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس صداقت سے جدا ہیں۔ کوئی شُبہ نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اس وحی کے حامل تھے جو آپ پر نازل ہوئی مگر ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرھم خاص صحابہ کو قرآنی صداقت سے جدا نہیں کرسکتے اور قرآن مجید کو ان سے جدا نہیں کرسکتے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ جو اسلام لایا وہ رسول کریم ﷺ کے لئے لایا لیکن رسول کریم ﷺ نے جن برتنوں میں اسے ڈالا وہ پہلے حامل تھے اس کے۔ جس طرح رسول کریم ﷺ نے اسلام جبرائیل سے لیا صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے لیا۔ پھر ان کے بھی مدارج تھے جو درجہ حضرت ابو بکرؓ کو حاصل تھا وہ دوسروں کو نہ تھا۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں کسی امر میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اختلاف ہوگیا۔ اختلاف نے مشاجرت کی صورت

اختیار کرلی اور تیز ہوگئی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تیز ہوگئے اور جوش میں انہوں نے حضرت ابوبکرؓ پر ہاتھ ڈالا مارنے کو نہیں سمجھانے کو اس پر حضرت ابوبکرؓ غصہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس چلے گئے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ کو بھی خیال آیا کہ میں نے غلطی کی اگر رسول کریم ﷺ سنیں گے تو ناراض ہوں گے وہ بھی رسول کریم ﷺ کے پاس چلے آئے اور بات بیان کردی۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے چہرے پر غضب کے آثار ظاہر ہوگئے اور آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگ مجھے اور ابوبکر کو نہیں چھوڑتے۔ جس وقت ساری دنیا میری مخالفت کررہی تھی اس وقت اس نے میرا ساتھ دیا[1]۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کہا کرتے تھے کہ یا اللہ! ابوبکرؓ کو میرے ساتھ رکھ۔[2] قرآن کریم اس معیت کی شہادت اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔[3] کے الفاظ میں دیتا ہے۔ یہ معیت بوجہ سابق بالایمان ہونے کے تھی۔ پھر ان سے اتر کر دیگر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہم تھے۔ وہ لوگ بمنزلہ ایسی زمین کے تھے جن میں اسلام کا بیج بویا گیا اور بعد میں آنے والے اس وقت آئے جب پھل آگیا۔ السابقون الاولون وہی لوگ تھے جو اس وقت آئے جب اسلام کا پودا لگایا جارہا تھا اور جب ساری دنیا اسے اکھیڑنے کے درپے تھی گو نہیں کہہ سکتے کہ بعد میں آنے والے پھل کھانے کو آئے مگر آئے اس وقت جب پھل آچکا تھا۔

یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کا ہے۔ ان پر چند لوگ اس وقت ایمان لائے جب آپ کا ساتھ دینا ہلاکت تھا ایسے ہی لوگ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے مثیل تھے۔ انہوں نے اپنے قلوب کو پیش کیا کہ ان میں احمدیت کا بیج بویا جائے اور احمدیت کا پودا نشوونما پائے پھر اور لوگ آئے مگر وہ لوگ پہلے لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے سوائے اس کے کہ وہ تقویٰ میں اس قدر ترقی کرجائیں کہ ان کے دل کا غم ان کے بعد زمانی سے بھاری ہوجائے۔

پہلے آنے والے لوگوں میں سے ایک سید قاضی امیر حسین صاحب بھی تھے وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اس وقت جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی الفاظ نبی اور محدث وغیرہ کی تشریح کررہے تھے کہتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہیں۔ دوسرے لوگوں سے بھی اور خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کہتے۔

پہلے پہل وہ قادیان میں سات روپیہ ماہوار پر آئے اب تو اس تنخواہ پر چپڑاسی بھی نہیں ملتا ان کی طبیعت بہت تیز تھی جلد غصہ آجاتا تھا۔ حضرت خلیفہ اول کے سامنے تو غصہ کا اظہار بھی

کرنے لگ جاتے تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہمیشہ مؤدب رہتے۔ مجھے ان کا ایک لطیفہ یاد ہے۔ یہاں ایک افغان مہاجر تھے جو مسجد میں اذان دیا کرتے تھے ان کی آواز بھاری تھی ایک روز قاضی صاحب نے اس کو اپنے پاس محبت سے بٹھالیا۔ وہ کہتا تھا میں نے سمجھا مجھے کچھ انعام دینے لگے ہیں مگر پاس بٹھانے کے بعد کہا دیکھو جس وقت تم اذان کہتے ہو اس وقت خدا اور اس کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ آج کل بھی ہماری دونوں مسجدوں میں اس قسم کے مؤذن ہیں کہ ان کو مؤذن نہیں کہہ سکتے۔ اس مسجد کے مؤذن تو اس طرح اذان دیتے ہیں جیسے کوئی بند ٹوکرے میں بیٹھ کر بولتا ہے۔ اذان دینا بڑا ثواب کا کام ہے اور بڑے بڑے آدمی اذان دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھا اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو اذان دیا کرتا۔ [۲] یہاں مولوی عبدالکریم صاحب بھی اذان دیا کرتے تھے ہم بھی مؤذن تھے۔ ہم چند آدمی بڑے شوق سے اذان دیتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک نے اذان کہہ دی ہوتی تو دوسرا بھی کہہ دیتا اس طرح کبھی کبھی اس مسجد میں نماز کے لئے تین تین اذانیں ہو جاتیں۔ مجھے یاد ہے مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک دفعہ اس پر بہت ڈانٹا۔ میں نے مولوی عبدالکریم صاحب کو اور حضرت خلیفہ اول کو بھی اذان کہتے دیکھا ہے مگر اب سمجھا جاتا ہے کہ جو دریاں وغیرہ جھاڑنے پر مقرر ہو وہی اذان بھی دے دیا کرے۔ اس مسجد مبارک کی اذان تو بعض دفعہ دکاندار بھی نہیں سنتے۔ صبح کے وقت جبکہ لوگ ابھی خواب کی حالت میں ہوتے ہیں ایسی اذان کچھ معنے نہیں رکھتی۔ میں اگرچہ پاس ہی سوتا ہوں بعض اوقات میں بھی بمشکل جاگتا ہوں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ اگر قاضی امیر حسین صاحب اس وقت زندہ ہوتے تو ایسے مؤذن کو کتنی لعنتیں ملتیں۔ قاضی صاحب میں جوش تھا مگر اپنی غلطی معلوم ہونے پر دب بھی جاتے تھے۔

ایک دفعہ میرے زمانہ خلافت میں سکول والوں نے ان کے لڑکے کو مارا۔ وہ رات کو آئے اور زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر آیا اور پوچھا قاضی صاحب خیر تو ہے؟ بولے خیر کیا ہے اگر بھائی عبدالرحیم صاحب پاس نہ ہوتے تو ہیڈ ماسٹر نے میرے لڑکے کو بالکل مار ہی دیا تھا۔ میں نے کہا آخر وہ لڑکا ہے کہاں اور کس حال میں ہے کہنے لگے میرے پاس تو وہ آیا نہیں وہ تو بھاگ گیا ہے۔ میں نے پھر کہا پھر خیر مار تو نہیں دیا زندہ ہے۔ وہ بھاگ جو گیا ہے تو اسے بہت مار نہیں پڑی ہوگی مگر آپ کو کس نے کہا کہ اسے مار ڈالا ہے۔ بولے ایک لڑکے نے بتایا ہے۔ میں نے کہا لڑکے بعض دفعہ جھوٹ بھی بول دیتے ہیں۔ کہنے لگے اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت

تھی۔ آپ خلیفہ ہیں اور خلیفہ کی بڑی ذمہ داریاں ہیں آپ انتظام کریں۔ میں نے کہا اچھا میں بھائی عبدالرحیم صاحب کو بلواتا ہوں اور تحقیق کرتا ہوں۔ چنانچہ رات کو ہی بھائی عبدالرحیم صاحب کو بلوایا گیا جب وہ آئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکے کو مار دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے تین درجن بید کی سزا دی تھی۔ ڈیڑھ درجن لگ چکے تھے۔ اس وقت تک تو وہ مسکراتا رہا۔ پھر میں نے کہا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے چھوڑ دیا۔ جب یہ سنا تو قاضی صاحب رو پڑے اور کہا مجھے کیا معلوم تھا مجھے تو ایک لڑکے نے بتایا تھا۔ الغرض قاضی صاحب عجیب رنگ کے آدمی تھے۔

ان کے بھائی سید غلام حسین صاحب بھی جن کی لڑکی کا آج نکاح ہے پرانے احمدی ہیں میں نے قاضی صاحب کا ذکر اس غرض سے کیا ہے کہ ان لوگوں میں عشقیہ رنگ تھا مگر آج کل کے نوجوانوں میں محض ایک فلسفیانہ رنگ ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی انہی لوگوں میں سے تھے گرمیوں کے دنوں میں مسجد اقصیٰ سے پانی منگواتے۔ مٹی کے کچے لوٹے میں پانی لایا جاتا وہ مسجد مبارک میں بیٹھے ہوتے وہ بڑھ کر آگے آتے اور کہتے جب میرے لئے پانی آتا ہے تو میں آگے بڑھ کر اس کے اور قریب ہو جاتا ہوں اور پھر پانی لے کر بڑے زور سے کہتے الحمد للہ۔ یہی وہ رنگ تھا جو ان کو خصوصیت دیتا ہے۔ ہم کو لڑکپن میں اس بات کا بڑا لطف آتا اور ہم بھی اسی طرح پانی پیتے اور الحمد للہ۔ کہتے۔ ایمان عشق سے پیدا ہوتا ہے اس عشق سے جو سوز و گداز پیدا کرے اور ایک آگ لگا دے۔ جس طرح ایک بچہ کھلونا لے کر سمجھتا ہے کہ سب دنیا اسے مل گئی۔ اسی طرح مؤمن بھی ایمان حاصل ہونے پر اور سب چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ یہ چیز ہے جو دنیا کو متأثر کرتی ہے خالی باتیں بنانے والا آدمی کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک اور پرانے صحابی منشی اروڑے خاں صاحب مرحوم تھے جو کپورتھلہ میں رہتے تھے انہوں نے قصہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہا میں کپورتھلہ آؤں گا۔ جس دن توقع تھی اس دن تو آپ تشریف نہ لائے مگر دوسرے دن بلا اطلاع تشریف لے آئے۔ ایک شخص نے جو منشی صاحب کا سخت مخالف تھا ان کو اطلاع دی کہ مرزا صاحب آگئے ہیں۔ ان دنوں کپورتھلہ ریل نہیں جاتی تھی ٹانگے یکے وغیرہ جاتے تھے بتانے والے نے کہا میں نے مرزا صاحب کو آتے دیکھا ہے۔ منشی صاحب کہتے ہیں میں یہ سن کر ننگے سر اور ننگے پاؤں جس طرح بیٹھا تھا دوڑ پڑا کہ جلدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سے ملوں مگر تھوڑی دور جاکر خیال آیا کہ یہ شخص مخالف ہے اس نے جھوٹ نہ کہا ہو اور میں کھڑا ہوگیا اور اس سے کہنے لگ گیا کہ کیا تم مجھے خراب کرنا چاہتے ہو۔ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائیں۔ مگر اس نے کہا ضرور آئے ہیں آپ جائیں تو سہی۔ میں پھر دوڑ پڑا۔ الغرض دو تین دفعہ میں نے ایسا کیا حتیٰ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نظر آگئے۔ انہوں نے ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا لیکچر سنا ایک اور شخص نے جو ان کے ساتھ تھا انہیں کہا ان باتوں کا کیا جواب ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ باتیں تو ان لوگوں پر اثر ڈال سکتی ہیں جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا نہیں ہم نے تو ان کو دیکھا ہے اور جانتے ہیں کہ ان کا چہرہ جھوٹوں والا نہیں۔ ان لوگوں کا عشقیہ رنگ تھا۔

قاضی امیر حسین صاحب کا ایک اور لطیفہ بھی ہے وہ سمجھتے تھے کہ مجلس لگی ہوئی ہو اور کوئی آئے تو کھڑا ہونا جائز نہیں۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو عشق اور محبت سے کھڑے ہوں ان کے لئے جائز ہے مگر تکلف سے نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی رسول کریم ﷺ کے فوت ہونے پر دو ہتڑا اپنے منہ پر مارا ہی تھا۔

میرے زمانہ خلافت میں مَیں نے دیکھا کہ میں جب آتا تو وہ کھڑے ہو جاتے۔ میں نے پوچھا یہ کیوں؟ تو کہنے لگے "کی کراں رہیا نہیں جاندا"

یعنی کیا کروں رہ نہیں سکتا۔ یہ عشقیہ رنگ تھا۔

سید غلام حسین صاحب جن کی لڑکی کا نکاح ہے قاضی امیر حسین صاحب کے بھائی ہیں اور پرانے احمدی ہیں۔ ملک مولا بخش صاحب بھی میرے بہت دیر سے ملنے والے ہیں اور مخلص ہیں جہاں تک میرا خیال ہے وہ اخلاص میں ترقی کرتے رہے ہیں ان کا بیٹا جس کا نام بھی سعید ہے اور ویسے بھی سعید ہے۔ لڑکی کی طرف سے میں خود ولی ہوں اور میں سید غلام حسین صاحب کی لڑکی محمودہ خاتون کے نکاح کا ایک ہزار روپیہ مہر پر سعید احمد صاحب سے اعلان کرتا ہوں۔

(الفضل ۲۴۔ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۵،۶)

[1] بخاری کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا

[2] تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۴۲

[3] التوبہ : ۴۰